Tauseeq, Volume. 2, Issue. 1
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v2i1.15
Received: 12-02-2021
Accepted: 25-02-2021
Published: 30-06-2021

اسلوب کے شخصیتی عناصر

(Personality Elements of Style)

روبینہ یاسمین*

Abstract:

Literary style is the main source of expressing the frame of mind. Through this expression, humans understand and share each other's thoughts & passions. The creative usage of a word embodies its inner energy and ecstasy. Due to this fact, a literary style becomes the personification and image of the personal traits of a person. Through this expression, the inner personality of a person becomes evident and others easily discern it. In compendium, literary style has an invisible connection with the personality and psychology of a person. This instant paper presents a concise picture of literary style.

Keywords: literary, style, personality, expression, compendium , discern

اسلوب ادیب کا ایک ایسا رنگ جو ان کی شخصیت سے خاص ہے اور جس سے ان کی شخصیت سامنے آئے اس لیے اسلوب بجائے خود شخصیت کا نام ہے ۔اسلوب میں ہی انسان کی مجموعی شخصیت ہوتی ہے ۔ اسلوب کے لیے انگریزی میں "style" کالفظ استعمال ہوتا ہے۔خالد محمود خان اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "In its most general interpretations. The word "STYLE" has a fairly uncontroversial meaning; it refers to the way in which language is used in a given context by person, for a given purpose and so on". (1)

*،پی ایچ۔ڈی سکالر اسلامیہ کالج پشاور

یوں خالد محمود خان کے اس بیان نے اسلوب کے ممکنہ پیچیدہ تصور کو مزید آسان کر دیا۔ اسلوب سے مراد فن کار کے بات کرنے کا وہ انداز ہے جس کے ذریعے وہ اپنے فن کی ترتیب و تزئین اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ طرز، انداز، طریقہ، سلیقہ، طرز نگارش جو صاحب ادیب کے اپنے نقش ہوتے ہیں اور انفرادی رنگ کا اظہار، جو انھیں دوسرے لکھنے والوں سے ممیز کر دیتا ہے۔ یہی انفرادیت ایک اچھے اسلوب کی پہچان ہے اور ہر انشا پرداز کی شخصیت کا عکاس اور ان کے رجحانات اور نظریات کا آئینہ دار ہوتا ہے جو نہ صرف انھیں ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہے بلکہ ادیب اور شاعر کو صاحب طرز بنانے کا مقام بھی عطا کرتا ہے بقول اقبال:

؎ گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات(2)

بڑے شاعر اور ادیب کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ صاحب اسلوب ہوتا ہے۔ ہزاروں انداز اور رنگوں میں اپنی ایک الگ پہچان کی گونج رکھتا ہو۔ اس لیے " اسلوب کی رفعت ایک بڑی شخصیت کی گونج ہے"۔(3) جو اپنے پڑھنے والوں کے تاثرات و احساسات کو شعوری اور غیر شعوری طور پر متاثر کرتا ہے۔ ادیب کی کوئی پہچان اسلوب کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلوب کا مسئلہ در حقیقت شخصیت کا مسئلہ اور عملی نفسیات کا مسئلہ ہے۔ کیوں کہ اسلوب، لسانی اور نفسیاتی پہلوؤں کے باہمی ادغام اور امتزاج سے واضح اور قابلِ فہم بن جاتا ہے۔ چوں کہ فن کا تعلق سوچنے سے ہے اور سوچنے کا تعلق نفسیات سے۔ پھر لسانیات کا تعلق نفسیات سے ہے لہٰذا دونوں پہلوؤں کے ارتباط سے اسلوب سامنے آتا ہے یعنی لفظ اور فکر دونوں کے امتزاج سے۔ یہی وجہ ہے کہ منطقی بنیادیں پہلے رکھی جاتی ہیں کہ فصاحت و بلاغت کے اصول انہی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ اصول منطقی پیرایوں کے پابند ہوتے ہیں اور عقلی پیمانوں کے تابع ہوتے ہیں جو پڑھنے والوں کو نہ اکساتے ہیں اور نہ اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرتے ہیں۔ اس طرح ہر مضمون اور موضوع فکری اور تخیلی اعتبار سے ایک موزوں اسلوب کا تقاضا کرتا ہے۔

ہر مضمون نگار کا اپنا ایک " اسلوب یا سٹائل" ہوتا ہے۔ بعض سادہ اور سنجیدہ طرز کلام اپناتے ہیں جب کہ بعض رنگین اور مزاحیہ انداز سے لکھنا پسند کرتے ہیں اسی طرح بعض کے لکھنے کا انداز دقیق ہوتا ہے اور بعض ہلکی پھلکی تحریر کو اپناتے ہیں۔

دیمترس نے اسلوب کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔یعنی (۱) سادہ ،(۲) شاہانہ ،(۳) مرصع اور (۴) حامل زور کلام۔ اسلوب کے اس استعمال میں لکھنے والے کی مدح مقصود نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کے مقابلے میں اس پیرائیہ بیان کے امتیازی عناصر کے شعور کا بیان مطلوب ہوتا ہے۔ جن کے عناصر تحریر کے ذریعہ ہم کسی تحریر کے مصنف کو پہچانتے ہیں۔یوں اسلوب ہی وہ ذاتی اور شخصی پیرائیہ اظہار بن جاتا ہے جس کے ذریعے وہ دوسرے لکھنے والوں میں پہچانا جاتا ہے۔چاہے یہ انفرادیت اچھی ہو یا بری ۔یعنی انفرادیت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، لیکن اچھی انفرادیت سے ہی اچھی انفرادیت پیدا ہوتی ہے۔ محض کچھ الفاظ کا استعمال اور مغلق تراکیب وضع کرنے کی قوت سے اسلوب کی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔

اسلوب کے وسیلے سے ہی انسان ایک دوسرے کے افکار اور جذبات میں شریک ہوتے ہیں۔ فن کار کا خیال اور عمل دونوں ممتاز و منفرد ہوتے ہیں۔ان کے افکار واحساسات اپنے اظہار کے لیے وہی شکل اختیار کرتے ہیں، جو ان کے لیے سب سے موزوں اور چست ہے اور پھر اسی سے ان کی شخصیت کے راز بھی منکشف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنے والے کی شخصیت بھی قاری کے لیے اہم ہوتی ہے۔ قاری کی پسند و ناپسند بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔لکھنے والے کی شخصیت قاری سے انصاف وصول کرنے سے محروم رکھ سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض شعرا اور فن کاروں کا کلام ان کے مرنے کے بعد بھی اپنی اصل صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے جب کہ ان کی شخصیت کے عیوب اور ان کی ذاتی برائیاں بھلا دی جاتی ہیں، اور صرف ان کی تخلیقات تنقید کے ترازو میں تولی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے پروفیسر لوکس لکھتے ہیں:

> "اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر قبولیت عامہ کا رتبہ حاصل کرے تو آپ کی شخصیت کی خوبی اور آپ کی راست کرداری علی الترتیب اچھی اور مسلم ہونی چاہیئے۔جزواً ہی سہی۔جو لوگ اپنی کتابوں کی اشاعت کرتے ہیں، وہ لوگوں کی نظروں میں چڑھ جاتے ہیں۔ مصنف اپنی کتابیں تو بیچتے ہیں لیکن اپنی شخصیت کے اسرار بغیر کسی قیمت کے بے نقاب کر دیتے ہیں"۔(4)

کیوں کہ تحریر میں ہی انسان کا باطن ظاہر ہو کر اپنے اصل سمیت باہر آجاتا ہے اسی لیے اسلوب شخصیت ہی کا دوسرا نام ہے۔ *"STYLE in itself Man"*

بہت سے تخلیق کار اپنی تحریروں کے توسط سے بآسانی پہچانے جاتے ہیں جیسے منٹو، قراۃالعین حیدر اور اس طرح کے دیگر فکشن رائٹر نہایت آسانی سے ایک مشاق قاری کو اپنی تحریروں کی شناخت کرا لیتے ہیں۔

ہر تحریر کے مصنف اپنی مخصوص شخصیت کے علاوہ تربیت، ماحول، ثقافت، تعلیم اور اقدار بھی رکھتا ہے اور ان عوامل کا اس تحریر پت گہرا اثر ہوتا ہے۔ جس کی بدولت وہ نہ صرف منفرد رہتا ہے بلکہ منفرد انداز میں قابل شناخت بھی بن جاتا ہے۔ اس سلسلے میں "کشاف تنقیدی اصطلاحات" کے مصنف اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں کہ:

> " اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیت) کے شمول سے وجود میں آتا ہے"۔(5)

اسلوب بیان موضوع کی مناسبت سے بھی کارگر ہوتا ہے۔چوں کہ ہر تحریر کسی خاص نقطہ نظر یا مقصد پر مبنی ہوتی ہے ۔اگر کوئی منظر نامہ قدرتی ماحول پر مبنی ہو تو ظاہری بات ہے اس کے اسلوب میں بھی فطرت سے متعلق لفظیات سامنے آئیں گی اور جملوں کی ساخت میں بھی، جیسے میر امن کی " باغ و بہار " کو اگر پیش نظر رکھے تو اس میں ایسے ہی تاثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ انتظار حسین کے افسانوں کے اسلوب پر تقسیم ہندوستان کی وجہ سے ہجر و فراق اور غم و اندوہ نے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔

اسی طرح اگر ہم غالب کے اسلوب کی بات کریں تو ان کا بھی اپنا ایک خاص طرز ہے۔ بہت سے شعرا غالب کی زمینوں اور ان کے خاص الفاظ کی پیروی بھی کرتے ہیں مگر بات نہیں بنتی۔ان کے رنگ میں شعر کہنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور آج ان کی شاعری اور خطوط کو جس انداز میں داد و تحسین پیش کی جاتی ہے۔اس کے پیچھے غالب کے خاص اسلوب کی تحریک ہی تو ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے کلام کا اسلوب اسی سے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا شاعر اس طریق اظہار پر قادر نہیں۔ اسی طرح محمد حسین آزاد اور مولانا ابولاکلام آزاد کے اسالیب پر ان کی ادبی شخصیات کی مہر ثبت ہے۔اس کے علاوہ سر سید، حالی، ذوق، میر حسن، داغ، میر انیس، دبیر، دیا شنکر نسیم اور فیض جیسے دیگر شعرا کی تحریروں میں ان کی اپنی انفرادیت دیکھنے کو ملتی ہے اور لکھنے والے کی نمایاں صفات اور حسن کی غزلیں بھی پکار پکار کہیں گی کہ ہمارا مصنف کون ہے۔

جیسا کہ اقبال فرماتے ہیں:

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے (6)

یوں شاعر اور ادیب کے ہاں ادراکات، وجدانیات اور جذباتی معتقدات پیش کرتے ہیں نہ کہ ایک فلسفی کی طرح نظام فکر، بلکہ انہیں تخیل کے سانچے میں ڈھال کر تشت از بام کرتے ہیں۔ جیسا کہ اقبال نے تصریح کر دی ہے۔ ہر فن کار جو دنیائے نو سامنے لانا چاہتا ہے یا جس کی تصویریں کھینچنا چاہتا ہے وہ پہلے ان کے ذہن پر افشاں ہوتی ہے پھر تخیل کے سانچے میں ڈھل کر خارجاً متشکل ہوتی ہے اور اقبال فطرت کی وہ تصویر نہیں کھینچتا جو موجود ہے بلکہ اس کی معیاری تصویر پیش کرنا چاہتا ہے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی اقبال کی شاعری اسلوبیاتی مطالعے کے لیے خاصا دلچسپ مواد بھی فراہم کرتی ہے ان کا اسلوب اس قدر زندہ، متحرک، اور اس قدر جوش آور ہے کہ بعض اوقات اس کی تاثیر کی فراوانی حیرانی میں مبتلا کر دیتی ہے اور کائنات کے پھیلے ہوئے کینوس پر زندگی کی عظیم الشان اور حقیقی تصویر بن کر ہمیں مسحور کر لیتی ہے۔ موضوع اور اسلوب ہم آہنگ ہو کر بے ساختگی، روانی اور دل کشی کے حسین مرقعے پیش کرتے ہیں۔ نئے نئے مضامین بیان کرنے کے لیے نئے نئے اسالیب تراشنے میں وہ روایتی مضامین سے کافی آگے نکل گئے ہیں۔ الفاظ و ترتیب کی ترتیب ایسی دل نشین کہ موضوع کی ندرت سے اسلوب بھی نکھر گیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

پھر باد بہار آئی اقبال غزل خواں ہو
غنچہ ہے اگر گل ہو گل ہے تو گلستاں ہو (7)

یوں ان کی شاعری میں غنائیت اور ندرت اوج کمال پر ہے۔ ان کی نظم اور غزل دونوں کے اسلوب اور معیار میں مجموعی طور پر ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا ہے۔

تخلیقی مقاصد کے لیے زبان کو بروئے کار لانے کے سلسلے میں زبان کو جمالیاتی اوصاف سے مزین کیا جاتا ہے اور اس مقصد کے لیے مختلف صنعتوں سے کام لیتے ہوئے اسلوب کی جمالیات سے ابلاغ کو دل کش بنانے کی سعی کی جاتی ہے اور اسلوب کے سلسلے میں بہت سے عناصر تشکیل فرما ہوتے ہیں یعنی اسلوب فکر و معنی اور ہیئت و صورت دونوں کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ اس طرح اسلوب کی دو سطحیں بن جاتی ہیں۔ ایک خارجی اور دوسرا داخلی اور کسی تخلیق کے حسن و قبح کے متعلق نقاد دبالعموم اسلوب ہی کی بنیاد پر اپنا فیصلہ ناطق کرتا ہے۔ انہی کی بدولت ادیب کے تخیلی پیکر کی نشان دہی ہوتی ہے اور ندرت تخیل اور

باریک اندیشی کا پتہ چلتا ہے۔اس طرح اسلوب مطلوب فن ہے اور مقصود ادب بھی۔ادبی تخلیق کا نقطہ عروج بھی اور اس کے بغیر کلاسیکی عظمت حاصل نہیں ہو سکتی۔لہٰذا تحریر کے وقت بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے کہ سند دائمی مستقبل کے ہاتھ آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ خالد محمود خان، فن ترجمہ نگاری و اصطلاحات ترجمہ، فکشن ہاؤس،لاہور،۲۰۱۱ء، ص ۱۵۴

۲۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۷۱۸

۳۔ عابد علی عابد، سید، اسلوب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء ص ۶۲

۴۔ ایضاً، ص ۶۱

۵۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳

۶۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۱۶

۷۔ ایضاً، ص ۴۹۹

References:

1. *Khalid Mahmood khan, "Fun Tarjuma Negari o Istelahat –e- Tarjuma" Fiction House, ،Lahore, 2011, pg.718*
2. *Iqbal, Allama , "Kuliyat e Iqbal (Urdu)" Maktaba Jamal, Lahore,2012, pg.718*
3. *Abid Ali Abid, Syed "Usloob" Sang meal* Publications, *Lahore,2011, pg.62*
4. *Ibid, page. 61*
5. *Abull Ajaz Hafiz Sadiqi, "Kashafe Tanqeedi Istilahat" Muqtadera Qaumi Zoban, Islamabad,1985, pg.13*
6. *Iqbal, Allama , Kuliyat e Iqbal (Urdu) "Maktaba Jamal, Lahore,2012, pg.116*
7. *Ibid, pg 499.*